کلامِ اقبالؒ میں ''تکریمِ انسانی'' کا عنصر

ڈاکٹر محمد ریاض

برتر از گردوں مقامِ آدم است
اصلِ تہذیب احترامِ آدم است

آدمیت' احترامِ آدمی
باخبر شو از مقامِ آدمی (۱)

علامہ اقبال کے کلام اور نظامِ افکار کی ایک نمایاں خصوصیت تکریم و تحریم انسانی کے عنصر کی نمائندگی ہے۔ اس خصوصیت نے اقبال کو ایک عالمی اور آفاقی شاعر بنا دیا ہے۔ عربی' فارسی اور اردو کے کئی شعراء کے کلام میں اس موضوع پر بعض اشعار مل جاتے ہیں۔ جن شعراء کا موضوع تصوف و اخلاق رہا انہوں نے مکارمِ انسانیت اور حقوق اللہ و حقوق العباد کی ادائیگی کے درس پر مبنی پند و اندرز کا طویل طومار جمع کیا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اقبال نے جس انداز میں انسانی عظمت و احترام کے تصور کی نغمہ سرائی کی' وہ ان کی انفرادیت و تخصص کا مظہر ہے اور ہر مسلک و مشرب کا شخص تکریمِ انسانی کے بارے میں اقبال کی لے سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اس ضمن میں قرآن مجید کی تعلیمات شاعرِ مشرق کی ہادی اور مولانا محمد جلال الدین رومی (م ۲۷۲ ھ) کا درسِ عشق ان کا راہنما ہے۔ عبدالکریم جیلی کا انسانِ کامل' رومی کا خاص انسان اور اقبال کا مردِ مومن قرآن مجید کی تعلیمات سے

ہی ماخوذ ہے۔اور عام انسانیت کے علووا حترام کا درس دینا اگرچہ تقاضائے اسلام ہے مگر ''اقبالیات'' کا ایک خاص موضوع ہے۔

قرآن مجید اور مقام انسانیت:

دین اسلام نے خاتم النبیین کے توسط سے عالم انسانی کو عظمت انسانیت کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا ہے۔یہاں ہم دنیا کے دیگر اہم ادیان کے تصور انسانی کا خلاصہ پیش کرنے سے قبل انسانی احترام وعظمت کے موضوع پر قرآن مجید کی چند آیات کی طرف اشارہ کررہے ہیں۔ان اشارات میں اخوت 'مساوات 'حریت اور ذمہ دارانہ انداز فکر کے لیے راہنما اصول دیکھے جاسکتے ہیں:

ا: انسان دنیا میں خدائے تعالیٰ کا خلیفہ اور نائب ہے۔اس کی غایت تخلیق خلافت ونیابت الہٰی ہے۔حقائق اشیاء کے علم میں اسے فرشتوں پر برتری حاصل ہے اور اسی خاطر فرشتے اس کی عظمت کے آگے سربسجود ہوگئے۔ابلیس نے اس کی عظمت کا اعتراف نہ کیا اور راندہ درگاہ باری ہوگیا (۲:۳۰۔۳۴)۔

ب۔ حضرت آدم سے جنت میں ممنوعہ پھل کھا لینے کی لغزش ہوگئی اور اس کے نتیجے میں آپ کا زمین پر ہبوط عمل میں آیا۔بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو شرف قبول بخشا اور انہیں اپنا برگزیدہ قرار دیا۔(۲:۳۹)۔

ج۔ انسان کی زندگی با مقصد ہے (۲۳:۱۱۵) جو لوگ علائق دنیوی اور حقوق وفرائض کے امتحان مین پورا اتریں کامیاب وکامران وہی ہیں (۲:۵'الملک ۱)۔

د۔ انسان صاحب خودی وارادہ ہے: یا ایہا الذین آمنو علیکم انفسکم ج لا یضرکم

من ضل اذا اہتدیتم ط (۵:۱۰۵) خدائے تعالیٰ نے اپنی روح پھونک کر اسے گویائی، شنوائی اور بینائی جیسی قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ (۹:۳۲) اور اگرچہ انفرادی شرف کا انحصار تقویٰ پر ہے (۱۳:۴۹، ۹:۹۱۔۱۰) مگر بحیثیت انسان اسے اکثر مخلوق پر شرف و فضیلت حاصل ہے (۷۰:۱۷) انسانی نیت اور ارادہ اہم اور قابل محاسبہ ہے (۲۲۵:۲)

ھ۔ انسان ایک ذمہ دار ہستی ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی وہ ازلی امانت اٹھانے کی ہمت کر لی ہے جسے عظیم کوہستان، زمین اور آسمان والے اٹھانے سے قاصر رہے (۷۲:۳۳)

انسان انفرادی طور پر اپنے اعمال کا جواب دہ ہے اور کسی ایک کے گناہ کا دوسرے سے مواخذہ نہ ہوگا (۱۵:۱۷، ۱۹:۹۵، ۳۹:۴۱ اور ۳۸:۵۳) ہر کسی کو اس کے اعمال کا پورا پورا صلہ ملے گا (۴۴:۳۰۔۴۵)۔

و۔ خدا نے کائنات کی ہر چیز انسان کی مطیع و مسخر بنائی ہے اس لیے انسان کو ترک دنیا کرنے کے بجائے دنیا کی نعمتوں سے استفادہ حاصل کرنا چاہیے (۳۲:۱۴، ۳۴، ۶۵:۲۲، ۷:۹۲۲)۔

ز۔ انسان کو اس کی کوششوں کا صلہ مل کر رہتا ہے اور کوشش میں ہی اس کی کامیابی کا دارومدار ہے (۵۳:۲۴، ۳۹)۔

ح۔ انسان کی زندگی ایک وحدت ہے۔ حرکت اور جہاد سے زندگی کو قوت ملتی ہے۔ (۷۸:۲۲)

ط۔ ہر معاملے پر غور و فکر کرنا اور ذاتی و اجتماعی محاسبے پر نظر رکھنا ترقی کا پیش خیمہ ہے (۳:۱۴۰۔۲۵:۴۳-۴۷)

ی۔ اپنی اور معاشرہ کی حالت بدلنا مرحلہ اول میں انسان کی ذمہ داری ہے اگر وہ نیک نیتی سے ایسا کرے تو اللہ تعالی کی نصرت کا سزاوار بنے گا (۱۱:۱۳) اسی آیہ مبارکہ کے حوالے سے اقبال نے لکھا ہے:

''...... مسلم اقوام مشرق کو یہ محسوس کر لینا چاہیے کہ زندگی اپنے حوالی میں کسی قسم کا انقلاب پیدا نہیں کرتی جب تک کہ پہلے اس کی اندرونی گہرائیوں میں انقلاب نہ ہو اور کوئی نئی دنیا خارجی وجود اختیار نہیں کر سکتی جب تک کے اس کا وجود پہلے انسانوں کے ضمیر میں متشکل نہ ہو۔ فطرت کا اٹل قانون جس کو قرآن نے ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیر وا ما بانفسہم' کے سادہ اور بلیغ الفاظ میں بیان کیا ہے زندگی کے فردی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں پر حاوی ہے......'' (۲)

ک۔ انسان اپنی پیدائش اور مرتبہ کے لحاظ سے بہترین مخلوق ہوتے ہوئے اگر حسن اعمال اور انسانوں کی خوبو سے عاری ہو تو وہ پست ترین مخلوق سے بھی زیادہ تنزل اختیار کر سکتا ہے۔ گویا انسان بننے کے لیے اسے اپنے عمل و کردار کو سنوارنا بے حد ضروری ہے۔ (۹۵:۴۔۵) جلال الدین دوانی شیرازی (م ۹۰۸ ہجری) نے اخلاق جلالی میں اس مناسبت سے لکھا ہے:

آدمی	زادہ	طرفہ	معجونی	است
از	فرشتہ	سرشتہ	وز	حیواں

گر کند میل ایں شود بد ازیں
ور کند قصد آں شود بہ ازاں

منقولہ بالا چند آیات اس امر کی مظہر ہیں کہ دین فطرت نے انسان کے مقام و مرتبہ کو افراط و تفریط سے پاک صورت میں پیش کیا ہے۔ اب بعد کی سطور میں دیگر مذاہب کی تعلیمات کے چند نکات دیکھیں اور خود مقایسہ کر لیں کہ اقبال کا یہ بیان کس قدر برجستہ ہے کہ:

بود انساں در جہاں انسان پرست
ناکس و نابود مند و زیردست

سطوت کسریٰ و قیصر رہزنش
بندھا در دست و بار گردنش

کاہن و پاپا و سلطان و امیر
بہر یک نخچیر، صد نخچیر گیر

در کلیسا استقف رضواں فروش
بہر ایں صید زبوں، دامی بدوش

برہمن گل از خیابانش ببرد
خرمنش مغ زادۂ با آتش سپرد

تا امینی حق بحقداراں سپرد
بندگاں را مسند خاقاں سپرد

زادن او مرگ دنیای کہن
مرگ آتش خانہ و دیر و شمن

حریت زادۂ از ضمیر پاک او
ایں مئی نوشیں چکید از تاک او

نقش نو بر صفحۂ ہستی کشید
امت گیتی کشای آفرید

امتی از ما سوا بیگانہ
بر چراغ مصطفی پروانہ (۳)

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved
© 2002-2006

ادیان عالم کا تصور انسانی:

ادیان عالم کے سلسلے میں ہم ہندومت' بدھ مت' زرتشتیت' یہودیت اور عیسائیت کے تصور انسانی کی طرف اجمالی اشارے کریں گے:

ا۔ ہندومت (برہمائی مذہب) کی افسانوی تاریخ تقریباً ۱۵۰۰ ق۔م سے آغاز پذیر ہے۔ اس مذہب میں دختر کشی (قدیم عربوں کی مانند) اور ستی جیسی ہولناک رسوم' قدیم ایام سے متداول رہی ہیں۔ انسانی خون کی ارزانی سے خود ساختہ دیوتاؤں کی خاطر مردوں کی قربانیاں ہوتی رہیں۔ مگر عورتیں چونکہ مقدس وید پڑھنے سے محروم تھیں اس لیے وہ ان قربانیوں کی رسوم میں شریک نہیں ہوسکتی تھیں۔ اس مذہب میں ذات پات اور خاص کر ذاتوں کی تمیز اور مظاہر فطرت کی پرستش کی رسوم مذہبی طبقے میں اب بھی کما کان باقی ہیں۔ ہندومت کی رو سے انسانی روح بدن میں مقید اور مبتلائے عذاب ہے اور اس کی مکتی یا نجات اس میں ہے کہ بدن سے رستگاری حاصل کرے۔ مگر بدن سے رہائی پانے کے بعد بھی روح تناسخ اور آواگون کے ایک لامتناہی چکر میں پھنسی رہے گی۔ اس خاطر جوگ اور ترک دنیا کے عمل کو روح کی آسائش کا موجب سمجھا جاتا ہے۔

ب۔ بدھ مت۔ گوتم بدھ کے مذہب کے آغاز کا زمانہ اندازے کے مطابق چھٹی صدی ق۔م ہے اس مذہب میں بھی انسان کی نجات کی راہ زندگی سے فرار بتائی گ ء ہے۔ گوتم بدھ کی نیم تاریخی شخصیت بھی منفی اور ''افنائے خودی'' کے حامل اعمال کی مظہر رہی ہے۔ بدھ مت میں خودی کا شعور اور خود آگاہی' روحانی

آلام ومصائب کا پیش خیمہ اور باعث گمراہی ہے۔ ظاہر ہے کہ منفی تصوف بدھ مت کے عقائد سے اثر پذیر رہا ہے۔ (ملاحظہ ہو سعید نفیسی مرحوم کی تالیف: سرچشمہ تصوف درایران۔

ج۔ زرتشتیت یا مجوسیت۔ زرتشت کا دورِ حیات ۸۰۰ سے ۵۰۰ اق۔م تک مختلف فیہ رہا ہے۔ اس کی تحریر اور گفتار کے جو مجموعے اس دور تک پہنچے ہیں وہ وحدانیت کی تعلیم کے حامی ہیں مگر نور وظلمت، خیر وشر اور یزداں واہرمن کی بحث سے ایک خاص قسم کی ثنویت کی تعلیم جلوہ گر ہے۔ ایک دوسرے زود گذر ایرانی مذہب مانویت میں بھی یہ ثنویت اسی طرح دیکھی جا سکتی ہے۔ زرتشت کے پیرو زرتشتی، مجوسی یا پارسی کہلاتے ہیں اور اموی ع عباسی دربار خلافت میں ایرانیوں کے اثر ونفوذ کے دوران مسلمانوں نے انھیں اہل کتاب مانا مگر اختلافات کی بنا پر یہ فیصلہ جلد ہی بدل دیا گیا۔ "ثنویت" کی بنا پر یہ مذہب انسان کی متصادم قوتوں کا آئینہ دار اور "دنیم شخصیتی" تعلیم کا متقاضی ہے۔ اس مذہب میں صنف نازک کے حقوق بھی خصوصی انحراف کیا گیا ہے۔ اسلام کا خدا سارے عوالم کا پروردگار ہے (رب العالمین) جب کہ زرتشت میں یزداں واہرمن کے آفریدہ دو جداگانہ عالم نظر آتے ہیں۔ اسلام میں شر پر غلبہ پانے کی تلقین ہے جب کہ زرتشت کی تعلیمات میں خیر وشر کی آویزش کی حکمت کے بارے میں خاموشی نظر آتی ہے۔

د۔ یہودیت اور عیسائیت: یوں تو یہود یا بنی اسرائیل کئی انبیا پر ایمان رکھتے ہیں مگر ان کا مذہب توریت پر مبنی اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ سے منسوب ہے۔

حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ روح اللہ سے کوئی سولہ سو برس پہلے گزرے ہیں (وفات ۱۵۷۱ ق ۔م)۔

یہودیت اور عیسائیت کی تعلیمات وحی الٰہی پر استوار ہیں (بالترتیب توریت اور انجیل پر) اور ان مذاہب کے پیروؤں (اہل کتاب) کے ساتھ مسلمانوں کو بعض خصوصی رابطہ رکھنے کی اجازت حاصل ہے۔ اس کے باوجود قرآن حکیم میں کراراً ذکر ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ (عیسائیوں) نے وحی الٰہی کے متون میں من مانی تحریفات کر کے اپنے دین کے چہرے کو مسخ کر دیا اور بعض اساسی مشرکانہ عقائد اپنا لیے مثلاً یہود کا خیال ہے کہ خدا تعالیٰ کا ان کے ساتھ خصوصی تعلق ہے اور ان کے گناہ بے اثر رہتے ہیں۔ اپنی بے گناہی کے بارے میں عالم عیسائیت کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ نے مصلوب ہو کر انکے جملہ گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا ہے ۔مقدم الذکر مذہب میں حضرت عزیر اور موخر الذکر میں حضرت عیسیٰ کو خدا کا فرزند بتایا گیا ہے (نعوذ باللہ)۔ یہ دونوں مذاہب اب سیدھے سادے اعمال کے بجائے ایسے فلسفیانہ عقائد کا گورکھ دھندا بن گئے ہیں جن کا تظاہر کے سوا، عملی زندگی سے کوئی عملی تعلق نظر نہیں آتا۔ ان میں رہبانیت اور مادیت کی تعلیم اس شدت سے سمائی ہوئی ہے کہ یا تو آدمی ترک دنیا کر دے یا بندہ دنیا بن جائے۔ مدتوں سے دین وعقیدہ کو انسانی زندگی کا ذاتی معاملہ قرار دے دیا گیا ہے اسرائیل اور مغربی ممالک میں لادینی نظام برپا ہے جس میں مذہب و سیاست کی کامل تفریق کر دی گئی ہے۔ مگر اسلامی تعلیمات کی رو سے دین و سیاست ایک ہیں۔

حقوق العباد بعض اعتبارات سے حقوق اللہ پر مقدم ہیں اور مولانا رومی اور شیخ سعدی شیرازی کے بقول:

جیست دنیا از خدا غافل بدن
نی قماش و نقرہ و فرزند و زن

....

طریقت بجز خدمت خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

مولانا رومؒ کا نصب العین آدم:

مولانا جلال الدین رومیؒ اقبال کے محبوب مرشد اور معنوی پیشرو ہیں۔ اس موضوع پر کافی لکھا جا چکا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث رسول کے بعد رومی کی تصانیف دیگر جملہ مصنفین کی کتب سے کہیں زیادہ علامہ مرحوم کے نظام افکار پر اثر انداز ہوئی ہیں۔ اقبال فرماتے ہیں:

نصیبی بردم از تاب و تب او
شبم مانند روز از کوکب او

غزالی در بیاباں حرم نیں
کہ ریزد خندہ شیرہ از لب او

بروی من در دل باز کردند
ز خاک من جہانی ساز کردند

ز فیض او گرفتم اعتباری
کہ با من ماہ و انجم ساز کردند (۴)

مولانا رومی نے مثنوی شریف اور دیوان کبیر (دیوان شمس تبریزی) میں اہم مسائل کو کلامی اور تمثیلی انداز میں بیان فرمایا۔ ان کے موضوعات میں انسانی عظمت و احترام کے مختلف پہلو بھی شامل ہیں۔ رومی کا نصب العین آدم عام انسان نہیں۔ وہ نورِ نبوت سے مستنیر اور پرتو صفات و ذات سے ضیا گیر ہے۔ وہ یونانی درویش فلسفی، دیو جانس کلبی کی مانند دن دہاڑے گھومنے والے ایسے چراغ بدست شیوخ کا ذکر فرماتے ہیں جو شہر و آبادی میں اس خاص آدمی کی تلاش میں لگے رہتے ہیں جو بآسانی دست یاب نہیں ہے۔

دی شیخ با چراغ ہمی گشت گرد شہر
کز دام و دد ملولم و انسانم آرزوست

زیں ہمرہان سست عناصر دلم گرفت
شیر خدا و رستم دستانم آرزوست

گفتم کہ یافت می نشود جستہ ایم ما
گفت آنکہ یافت می نشود آنم آرزوست(۵)

اقبال نے مولانا روم کی غزل کے محولہ بالا اشعار کو مثنوی ''اسرار خودی'' کا سرعنوان بنایا اور کوئی پندرہ برس بعد ان اشعار کو بعض اشعار کے اضافہ کے ساتھ جاوید نامہ میں جگہ دی ہے(۹)۔ اس سے ظاہر ہے کہ رومی نے انسان اور اقبال کے صاحب خودی مرد مومن کے اوصاف مشترک ہیں۔ ہم چند مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔

رومی:

بزیر کنگرہ کبریاش مردانند
فرشتہ صید و پیمبر شکار و یزداں گیر

اقبال:

در دشت جنون من جبریل زبوں صیدی
یزداں بکمند آور ای ہمت مردانہ

رومی:

ماز فلک برتریم وز ملک افزوں تریم
زیں دو چرا نگزریم منزل ما کبریاست

اقبال:

شعلہ در گیرزد برخس و خاشاک من
مرشد رومی کہ گفت "منزل ما کبریاست"

اور:

مرد مومن در نسازد با صفات
مصطفیٰ راضی نشد الا بذات

یا:

میری نوائے شوق سے شور حریم ذات میں
غلغلہ ہائے الاماں بتکدہ صفات میں

رومی شاعر عشق ہیں اور اقبال بھی ان کا ہمنوا ہے۔ یہاں عشق ادنی کو اعلی کی طرف کھینچنے کا نام ہے۔ اس سے مراد خالق کل شئی سے حقیقی لو لگانا اور تخلقو ا باخلاق اللہ کا مظہر بننا ہے رومی فرماتے ہیں:

عشق زندہ در روان و در بصر
ہر دمی باشد ز غنچہ تازہ تر

سایہ یزداں بود مرد خدا
مردہ او زیں عالم و زندہ خدا

گر بصورت آدمی انسان بدی
احمد و بوجہل خود یکساں بدی

ظاہر را پشہ ای آرد بچرخ
باطنش آمد محیط ہفت چرخ

عشق آں زندہ گزیں کو باقی است
کز شراب جاں فزائیت ساقی است

عقل در شرحش چو خر در گل بخفت
شرح عشق و عاشقی ہم عشق گفت

اقبال کے ہاں عشق اور اوصاف عشق کے بارے میں سینکڑوں اشعار ہیں اور اس معاملے میں آپ مولانائے روم کے مثیل ہیں۔ رومی کی توصیف میں خود فرماتے ہیں:

گرہ از کار ایں ناکارہ وا کرد
غبار رہگذر را کیمیا کرد

نئی آن نی نوازی پاکبازی
مرا با عشق و مستی آشنا کرد(۷)

ارتقائے انسانی اور نسل حیات کے بارے میں دونوں کے افکار اسلامی تعلیمات کی روشنی میں یکساں ہیں مثلاً

رومی:

کدام دانہ فرو رفت در زمیں کہ نہ رست
چرا بہ دانہ انسانت ایں گماں باشد؟

ہستی اندر نیستی بتواں نمود
مال داراں بر فقیر آرند جود

اقبال:

یکی بر خود کشا چوں دانہ چشمی
کہ از زمیں نخلی بر آئی

تو اسے پیمانہ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں پیہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی

زندگی جوی روان است و رواں خواہد بود

نظم ''زندگی'' میں آپ کسی فلسفی سے اپنی گفتگو کا ذکر فرماتے ہیں کہ:

گفتم کہ خاکی است و بخاکش ہمی دھند

گفتا ''چو دانہ خاک شگافد' گل تر است''(۹)

جبر و اختیار کا نظریہ' انسانی شخصیت پر بے حد اثر انداز ہوتا ہے مولانائے روم کو اس مسئلے سے خاص دلچسپی تھی اور انہوں نے بڑی دل لگتی مثالوں سے اس امر کا اثبات کیا ہے کہ الایمان بین الجبر والاختیار۔ اس ضمن میں دفتر اول کی شیر و نخچیر اں والی حکایت کی طرف اشارہ کر دینا کافی نظر آتا ہے۔ اقبال انسانی مجبوریوں اور محدودیوں کے قائل ہیں مگر وہ انسانی خودی اور ارادے کی وسعتوں کے انتھک مبلغ ہوتے ہوئے قدر و اختیار اور تقدیرات الٰہی کے تعدد پر یقین رکھنے کا درس دیتے ہیں۔ صاحبان خودی کی عظمت اس قدر ہے کہ تقدیرات الٰہی ان کے عزم و ارادے سے ہم آہنگ رہتی ہے۔ یہ اس خاطر ہے کہ وہ احکام الٰہی کے پابند ہیں اس موضوع پر علامہ کے متعدد اشعار میں سے چند ملاحظہ ہوں:

مرد مؤمن با خدا دارد نیاز

با تو ما سازیم تو با ما بساز

گر زیک تقدیر خوں گردد جگر

خوہ از حق حکم تقدیر دگر

تو اگر تقدیر نو خواہی رواست
زانکہ تقدیرات حق لا انتہاست

شبنمی؟ افتندگی تقدیر تست
قلزمی؟ پابندگی تقدیر تست(۸)

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟(۹)

پابندی تقدیر کہ پابندی احکام؟
یہ مسئلہ مشکل نہیں اے مرد خرد مند

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند(۱۰)

ترے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے؟
خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے؟(۱۱)

عبث ہے شکوہ تقدیر یزداں
تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے؟(۱۱)

متذکرہ بالا امور انسانی عظمت واحترام سے مربوط ہیں اور رومی و اقبال کے ہاں خاص طور پر مشترک ہیں۔

احترام انسانیت اور اقبال کے خاص مضامین:

اقبال نے ہبوط آدم کے واقعے کو کئی موارد میں ''شعور و ارتقائے انسانی'' سے تعبیر کیا ہے۔وہ آدم وحوا کے دانہ ممنوعہ کھانے کے واقعہ کو خطاو تجربہ کا عمل قرار دیتے ہیں اور اپنے تیسرے انگریزی خطبے میں فرماتے ہیں کہ (۱۲) اس تجربے کے نتیجے میں آدم اپنے وجود کے قویٰ کے بارے میں شعور مند ہوا آپ کا ایک مشہور شعر ہے:

لگی نہ میری طبیعت ریاض جنت میں
پیا ''شعور'' کا جب جام آتشیں میں نے(۱۳)

فرماتے ہیں کہ انسان بے شک کم تسبیح اور فرشتوں کے بقول خونریز ہے مگر غیر معمولی جدت اور ندرت دکھانا اور جنگلوں اور صحراؤں کو گل وگلزار بنانا بھی تو اس کا کام ہے۔اس کے مقابلے میں عالم جماد ہو کہ نبات جہان جنات ہو کہ فرشتگان'ان کے اعمال میں دکود اور استقرار ہے۔عظمت آدم اور فرشتوں پر انسان کے تفوق کا بیان' اقبال کے متعدد زوردار اشعار میں دیکھا جا سکتا ہے۔بعض اشعار میں اقبال نے کائنات کے حسن وآبادانی کے سلسلے میں عالم انسانی کی شبانہ روز مساعی

کو خاص خراج تحسین پیش کیا ہے۔ جذب و مستی' ذوق ہجراں اور نو آفرینی سے عالم قدس محروم ہے۔ یہ اوصاف بھی انسان کے ساتھ مخصوص ہیں:

فرشتہ را دگر آں فرصت سجود کجا ست؟
کہ نوریاں بتماشای خاکیاں مستند

عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہ کامل نہ بن جائے

قصور وار غریب الدیار ہوں لیکن
ترا خرابہ فرشتے نہ کر سکے آباد

نہ کر تقلید اے جبریل میرے جذب و مستی کی
تن آساں عرشیوں کو ذکر و تسبیح و طواف اولیٰ

بگو جبریل را از من پیامی
ترا آں پیکر خاکی ندادند

ولی تاب و تب ماخاکیان نیست

به نوری ذوق مهجوری ندادند

بزبان خدا:

جہاں را زیک آب و گل آفریدم

تو ایران و تاتار و زنگ آفریدی

من از خاک پولاد ناب آفریدم

تو شمشیر و تیر و تفنگ آفریدی

تبر آفریدی نہال چمن را

قفس ساختی طائر نغمہ زن را

بزبان انسان:

تو شب آفریدی چراغ آفریدم

سفال آفریدی ایاغ آفریدم

بیابان و کہسار و راغ آفریدی

من آنم کہ از سنگ آئینہ سازم

من آنم که از زهر نوشینه سازم

نوای عشق را ساز است آدم
کشاید راز و خود راز است آدم

جهان او آفرید این خوبتر ساخت
مگر با ایزد انباز است آدم؟

کجا نوری که غیر از قاصدی چیزی نمی داند
کجا خاکی که در آغوش دارد آسمانی را

فروغ آدم خاکی ز تازه کاری هاست
مه و ستاره کنند آنچه پیش ازین کردند

حرف انی جاعل، تقدیر او
از زمین تا آسمان تفسیر او

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

من چه گویم از یم بی ساحلش
غرق اعصار و دہور اندر دلش

آنچہ در آدم بگنجد عالم است
آنچہ در عالم نگنجد آدم است

گرچہ کم تسبیح و خونریز است او
روزگاراں راچوں مہمیز است او
داغہا شوید ز دامان وجود
بی نگاہ او جہاں کور و کبود

برتر از گردوں مقام آدم است
اصل تہذیب ، احترام آدم است(۱۴)

''زبور عجم'' کی ایک لازوال غزل جسے اقبال نے ''جاوید نامہ'' میں بھی جگہ دی ہے نوائے انسانی کا قصیدہ ہے۔ مطلع ہے:

فروغ مشت خاک از نوریاں افزوں شود روزی
زمیں از کوکب تقدیر او گردوں شود روزی

''انسان'' کے عنوان سے اقبال نے ایک دلچسپ نظم میں مخلوقات کے ممکنات

کا مقابلہ و موازنہ کے بعد فرمایا ہے۔

تسلیم کی خوگر ہے جو چیز ہے دنیا میں
انسان کی ہر قوت سرگرم تقاضا ہے

چاہے تو بدل ڈالے ہیئت چمنستاں کی
یہ ہستی دانا ہے ' بینا ہے ' توانا ہے (۱۵)

اقبال کے ہاں ایک نادر و بدیع مضمون یہ ہے کہ خالق کائنات خود انسان کی قوتوں کو بنظر استحسان دیکھتا ہے اور اپنی اس مخلوق کے غیر معمولی کارناموں کا ناقد و ناظر ہے۔ جس طرح مخلوق دیدار باری کی متمنی ہے۔ اسی طرح ذات اقدس خو دانسانوں ' خصوصاً صاحبان خودی سے ملنے کی آرزو مند ہے۔ اقبال نے یہ مضامین اپنی پسندیدہ (۱۴) تصنیف ''زبور عجم'' میں بیان فرمائے ہیں اور اگر چہ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ (م ۸۹۸ھ) نے اپنی مثنوی ''یوسف و زلیخا'' کی تمہید میں خالق و مخلوقات کی محبت و اتصال کے بیان میں یہی اسلوب اختیار کیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہاں اقبال کے صراحت لہجہ اور زور بیان کا فقدان ہے۔ علامہ کے مختلف اشعار میں سے چند یہ ہیں:

ای خدائے مہر و مہ خاک پریشانی نگر
ذرہ ای در خود فرو پیچد بیابانی نگر

خاک ما خیزد کہ سازد آسمان دیگری
ذرہ ناچیز و تعمیر بیابانی نگر

چناں بزی کہ اگر مرگ تست مرگ دوام
خدا ز کردہ خود شرمسار تر گردد

ما از خدای گم شدہ ایم او بجستجوست
چوں ما نیازمند و گرفتار آرزو ست

گاہی بہ برگ لالہ نویسد پیام خویش
گاہی درون سینۂ مرغاں بہ ہا و ہوست

ہنگامہ بست از پی دیدار خاکئی
نظارہ را بہانہ تماشای رنگ و بوست

در خاکدان ما گہر زندگی گم است
ایں گوہری کہ گم شدہ ' مانیم یا کہ اوست؟

معراج نبوی عظمت انسانیت کا ایک ذیشان واقعہ ہے۔انسان کامل نے عوالم

بالا میں گزر فرمایا اور جلوہ ہائے صفات سے گزرتے ہوئے وراء الوراء میں ذات کی قربت پائی۔ اقبال کو اس مہتم بالشان واقعہ سے بغایت دلچسپی تھی کہ:

زندگی خود را بخویش آراستن
بر وجود خود شہادت خواستن

بر مقام خود رسیدن زندگی است
ذات را بی پردہ دیدن زندگی است

از شعور است اینکہ گوئی نزد و دور
چیست معراج؟ انقلاب اندر شعور

(۱۷)

اسی واقعہ کے پرتو میں آپ نے عالم افلاک کی تخیلی (۱۸) سیاحتیں فرمائی ہیں۔ زبور عجم کی ایک غزل (ص ۱۲۱) کے مندرجہ ذیل دو شعر جاوید نامہ کی پہلی اشاعت کا سر آغاز بنے تھے۔

خیال من بہ تماشای آسماں بود است
بدوش ماہ و بہ آغوش کہکشاں بود است

گماں مبر کہ ہمیں خاکداں نشیمن ماست
کہ ہر ستارہ جہاں است یا جہاں بود است

جاوید نامہ کو معراج نامہ اقبال کہیے یا عروج نامہ انسانی' اس میں عظمت انسانی کا بیان ملتا ہے اور یہ بیان معراج نبوی کے واقعہ سے مستنیز نظر آتا ہے۔ معراج کے عدیم النظیر واقعہ کے بارے میں اقبال کے مندرجہ ذیل اشعار احترام انسانیت اور علو آدمیت کے مظہر ہیں۔

رہ یک گام ہے ہمت کے لیے عرش بریں
کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

کماں را زہ کن و اماج دریاب
ز حرفم نکتۂ معراج دریاب

مہ و سالت نمی ارزد بیک جو
بحرف دکم بنشتم غوطہ زن شو

ناوک ہے مسلماں ہدف اس کا ہے ثریا
ہے سر سراپردہ جاں نکتۂ معراج(۱۹)

اقبال خودی وخود شناسی کی تعلیمات کے علمبردار تھے۔خود آ گاہوں کی توصیف وتمجید کے ساتھ ساتھ ان کے ہاں خود فراموشوں پر سخت انتقادات ملتے ہیں مثلاً

یہی آدم ہے سلطاں بحر و بر کا
کہوں کیا ماجرا اس بے بصر کا

نہ خود بیں، نے خدا بیں، نے جہاں بیں
یہی شہ کار ہے تیرے ہنر کا؟

مہ و ستارہ سے آگے مقام ہے جس کا
وہ مشت خاک ابھی آورگان راہ میں ہے

منکر حق نزد ملا کافر است
منکر خود نزد من کافر تر است

آں بانکار وجود آمد 'عجول'
ایں 'عجول' و ہم 'ظلوم' و ہم 'جہول'(۲۰)

اس کے باوجود وہ عام انسانوں کے احترام کا پرزور درس دیتے رہے۔ اور اس قسم کے آپ کے درس نظیر اکبرآبادی کے ''آدمی نامہ'' کی یاد آوری کرتے ہیں۔ وہ ان پر خود غلط صوفی وملا کے بھی ناقد ہیں جو انسانوں سے تو بے رخی برتتے ہیں مگر خدا شناسی اور عرفان مابی کا دعویٰ کرتے ہیں۔

مقام آدم خاکی نہاد در پابند
مسافران حرم را خدا دھد توفیق

بآدمی نرسیدی خدا چہ می جوئی؟
ز خود گریختہ ای آشنا چہ می جوئی؟

عجب نہیں کہ خدا تک تری رسائی ہو
تری نگہ سے ہے پوشیدہ آدمی کا مقام

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

ایک لازوال نظم:

نظم "تسخیر فطرت" (۲۱) میں میلادِ آدم' انکار ابلیس' اغوائے آدم' ہبوطِ آدم اور قبول انابت کے پانچ ذیلی عنوان ہیں۔ یہ نظم اور "روحِ ارض آدم کا استقبال کرتی ہے" (۲۲) آدم خلیفہ اللہ فی الارض اور مسخر کائنات کے اوصاف و مناقب اور اس کے احوال و واردات کا زوردار بیان ہے۔ "میلادِ آدم" کے پانچ شعر قصیدہ آدم ہیں اور اس نظم کے مندرجہ ذیل شعر پر ڈاکٹر احمد علی رجائی نے ایک مبسوط مقالہ لکھا ہے اور اسے خودی و بے خودی کی تعلیمات پر اقبال کی (۲۳) ایجاز علامت قرار دیا ہے:

فطرت آشفت کہ از خاک جہان مجبور
خود گری' خود شکنی' خود نگری پیدا شد

یہ لازوال نظم خصوصی مطالعہ کی متقاضی ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ: اولادِ آدم کائنات کی اہم ترین مخلوق ہے۔ کائنات عالم انسانیت کی خاطر مسخر و مطیع ہے آدم کا ہبوط درحقیقت اس کا عروج وصعود ہے کیونکہ "سوختن ناتمام" سے "حیات دوام" حاصل ہوتی ہے۔ مخالف اور شر آمیز قوتوں کی مقاومت سے آدم کو عروج و کمال ملتا ہے اور دنیا قوائے آدکی محک و ملاک ہے وغیرہم۔

سب انسانوں کی تکریم و تحریم:

اقبال بے شک حکیم الامت' شاعر اسلام اور شاعر مشرق ہیں مگر وہ شاعر عالم بھی ہیں۔ جیسا کہ ہم نے ابتدائے مقال میں عرض کیا' اقبال کی تعلیمات سے ان

کی آفاقیت مظہر ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کی انسان دوستی اور ہمہ گیر دلسوزی کی سارے جہاں میں قدر کی جاتی ہے۔ مثنوی ''اسرار خودی'' کی تمہید میں فرماتے ہیں:

بہر انساں چشم من شبہا گریست
تا دریدم پردۂ اسرار زیست

انہوں نے غیر مسلم افراد کی خوبیوں کا نہایت فراخدلی سے اعتراف کیا ہے۔ سوامی رام تیرتھ پر اپنی نظم (۲۴) میں فرماتے ہیں:

نفی ، ہستی اک کرشمہ ہے دل آگاہ کا
لا کے دریا میں نہاں موتی ہے ، الا اللہ کا

مثنوی ''اسرار خودی'' میں آپ نے شیخ و برہمن کی حکایت موسوم بہ مکالمہ ہمالہ و گنگا میں مخدوم حضرت سید علی ہجویری داتا گنج بخشؒ کی زبانی خطہ مرو کے ایک غیر مسلم نوجوان کو دی جانے والی ایک ایسی نصیحت کا ذکر کیا ہے جو اپنے اپنے مذہب کے مطابق تعمیر شخصیت کرنے کے بارے میں ہے لا اکراہ فی الدین:

گر ز جمعیت حیات ملت است
کفر ہم سرمایہ جمعیت است

من نگویم از بتاں بیزار شو
کافری؟ شایستۂ زنار شو

بال جبریل میں آپ نے نپولین بونا پارٹ کے ''جوش کردار'' اور مسولینی کے ''ندرت عمل'' کی خوب توصیف کی ہے (۴۵)۔ آپ کی شاہکار تالیف جاوید نامہ میں غیر مسلمان کرداروں کی خوبیوں کا مطالعہ کرنا ہو تو رام چندر جی کے استاد وشوامتر (جہاں دوست) ٹالسٹائی قرۃ العین طاہرہ بابیہ' نٹشے ' کارل مارکس اور بھرتری ہری کا ذکر دیکھیے۔ زرتشت اور گوتم بدھ کا ذکر انبیاء کے طور پر ہے اور ان کی خاطر خاص طواسین قائم کیے گئے ہیں۔ اقبال نے زرتشت اور گوتم سے جو تعلیمات منسوب کی ہیں ان کی بعض باتوں میں رواداری اور بے تعصبی کی روح کارفرما ہے مثلاً یہ شعر گوتم کی تعلیمات کی نقیض ہے:

از خود اندیش و ازیں بادیہ ترساں مگور
کہ تو ہستی و وجود دو جہاں چیزی نیست

اور یہی حال زرتشت کی' پندیات خودی کا ہے مگر اقبال نے یہ اوصاف مذکورہ بزرگوں سے منسوب کر دیے ہیں۔ جاوید نامہ کا آخری باب اندرزہائے اقبال پر مشتمل ہے۔ اس میں اپ نے مسلمانوں کی نئی نسل کو مذہب و ملت کے لحاظ سے بالاتر ہو کر عام انسانیت کے ساتھ عزت و احترام برتنے کی تلقین کی ہے۔ ادب و تادیب اور حسن اخلاق کی یہ تعلیم اسلامی تعلیمات کے عین مطابق اور سیرت رسول اکرمؐ سے پرتو گیر ہے کہ:

دیں سراپا سوختن اندر طلب
انتہایش عشق و آغازش ادب

آبروی گل ز رنگ و بوئی اوست
بی ادب ، بی رنگ و بو ، بی آبروست

حرف بد را بر لب آوردن خطاست
کافر و مومن همه خلق خداست

آدمیت از ربط و ضبط تن به تن
بر طریق دوستی گامی بزن

بنده عشق از خدا گیرد طریق
می شود بر کافر و مومن شفیق

کفر و دیں را گیر در پہنای دل
دل اگر بگریزد از دل وای دل

گرچه دل زندانی ، آب و گل است
این همه آفاق ، آفاق دل است

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. © 2002-2006

امید ہے کہ ادبالا جمال مقالے کے ذریعے کلام اقبال میں احترام انسانیت کے وہ عناصر اجاگر ہو گئے ہوں گے جو وحیٔ الٰہی سے ضیا گیر ہیں اور خالق کائنات کی نظر میں سب برابر ہیں الا بعمل:

وی حق بینندہ سود ہمہ
در نگاہش سود و بہبود ہمہ (۲۶)

حواشی

(۱) جاوید نامہ صفحہ ۷۵، ۲۴۲

(۲) دیباچہ پیام مشرق صفحہ ۴

(۳) اسرار و رموز ص ۱۱۹۔۱۲۰

(۴) ارمغان حجاز ص ۱۰۵۔۱۰۷

(۵) غزلوں کے اشعار استاد بدیع الزماں فروز انفر مرحوم کے تصحیح کردہ دیوان سے ماخوذ ہیں اور مثنوی شریف، بتصحیح آنجہانی نکلسن پیش نظر ہے۔

(۶) کتاب مذکور ص ۱۲

(۷) ارمغان حجاز ص ۱۰۶

(۸) جاوید نامہ ص ۱۲۳

(۹) بال جبریل ص ۸۱

(۱۰) ضرب کلیم ص ۶۲

(۱۱) ارمغان حجاز ص ۲۵۴

(۱۲) The Reconstruction of Religious Thought in Islam, Sept 1965 ed, PP. 85-87

(۱۳) بانگ درا ص ۸۰

(۱۴) اشعار بالترتیب بال جبریل، پیام مشرق، زبور عجم اور جاوید نامہ کے ہیں۔

(۱۵) بانگ درا ص ۱۹۷

(۱۶) اگر ہو ذوق تو خلوت میں پڑھ ''زبور عجم''

فغان نیم شبی، بے نوائے راز نہیں (بال جبریل ۵۹)

(۱۷) جاوید نامہ ص ۱۳، ۱۴، ۲۰

(۱۸) جاوید نامہ کے علاوہ ملاحظہ ہو بانگ درا ص ۱۹۲

(۱۹) بانگ درا ص ۲۸۱، بال جبریل ۴۴، زبور عجم ص ۲۱۵۔۲۱۶ اور ضرب کلیم ص ۹

(۲۰) جاوید نامہ ص ۲۳۹

(۲۱) پیام مشرق ص ۹۷ تا ۱۰۰

(۲۲) بال جبریل ص ۱۷۸/۱۷۹

(۲۳) ملاحظہ ہو ماہنامہ المعارف لاہور اپریل ۱۹۷۲ء میں اس مقالے کی تلخیص و ترجمہ

(۲۴) بانگ درا ص ۱۱۸ (۲۵) بال جبریل ص ۲۰۱۔۲۰۲

(۲۶) جاوید نامہ ص ۷۸